

اسلام اور مغرب جدید تناظر میں

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

ایک سویں صدی کا آغاز جن واقعات سے ہوا، انہوں نے اسلام اور مغرب کی تاریخی آوریزش کو ایک نئی شکل دے دی اور ہر دو فریق جن خدشات، خطرات اور تنازعات کا شکار ہوئے، وہ عالمی نقشے پر بعض بنیادی تبدیلیوں کا سبب بن گئے۔ مغربی اقوام خصوصاً امریکا کے سامراجی عزم عملی شکل اختیار کر گئے اور مغرب کے تمام حقوق انسانی، سرحدی آزادی، ملکی خود مختاری اور امن عالم کے نام نہاد نعروں کی قلبی کھل کر سامنے آگئی۔ مغرب کے بعض نمائیدہ مفکرین نے سیاسی، سامراجی عزم کو نئے عالمی نظام (نیوورلڈ آرڈر) کا چونا پہنا کر مسلم ممالک کے توانائی کے وسائل پر عسکری قوت سے قبضہ کرنے کے گھاؤنے عمل کو امریکا کی قومی سالیت کے تحفظ کا نام دیا۔ ۱۹۹۲ء میں امریکی مفکر سیموں پی ہن ٹنکشن نے اپنے ایک مقالے میں جس تہذیبی نکراو کے خدشے کا اظہار کیا تھا وہ عملاً پہلے سے تحریر شدہ ایک کہانی کے خاکے کی طرح تمبر ۲۰۱۱ء میں افغانستان اور عراق پر یلغار کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ واقعات کے اس منطقی تسلسل نے مسلم ممالک کی غالب آبادی کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ان کے فرماں روا جس امریکا یا مغرب دوستی کا دم بھرتے ہیں وہ کتنی کھوکھی، ناپایدار اور مغرب کے مقابلہ پر مبنی ہے۔

تاں انیوں نے جہاں منفی تاثرات پیدا کیے، وہیں خود مغرب میں اس سانحے نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تجسس اور حقیقت حال کو سمجھنے کی خواہش کو بیدار کیا۔ اس واقعے کے ایک ماہ کے اندر امریکا کے کتب فروشوں کے پاس قرآن کریم کے جتنے نئے انگریزی ترجمے کے ساتھ موجود تھے، فروخت ہو گئے اور اسلام پر کتب کی بڑی مالک پیدا ہو گئی۔ قرآن کریم نے بالکل صحیح کہا

ہے کہ بعض چیزوں سے انسان کو کراہت آتی ہے، جب کہ ان میں رحمت ہوتی ہے، اور بعض چیزیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، جب کہ ان میں ضرر ہوتا ہے۔ اسلام اور مغرب کی اس تازہ آوریش نے دونوں جانب دلنش وروں اور محققین کو اس نئی صورتِ حال کے تجزیے اور اس کے پس منظر میں چھپے اسباب پر تفکر کی دعوت دی، اور مغرب جو اپنے سامراجی دور سے استشراق کے زیر عنوان مسلم ممالک کی زبانوں، ثقافت اور تاریخ کو سمجھنے میں مصروف تھا، اب اس کی اس کاوش میں مزید اضافہ ہوا۔

مکالمہ — تاریخ کے تناظر میں

اگر تاریخ کے آئینے میں اس صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے تو ساتویں صدی عیسوی میں ظہور اسلام کے ساتھ ہی قرآن کریم نے اہل کتاب کو دعوتِ مکالمہ دینے میں پہل کرتے ہوئے مختلف سطح پر رابطہ اور تبادلہ خیال کی راہیں نکالیں۔ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک، جو مختلف عیسائی وغیر عیسائی فرمائیں رواوں کو لکھوائے گئے تھے، رابطے کے اولین اقدامات کہا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم نے دیگر مذاہب کے ماننے والوں اور خصوصاً اہل کتاب کو بار بار دعوتِ فکر دیتے ہوئے مشترک بنیادوں پر اس مکالمے کا آغاز کرنے کی دعوت دی۔ اس بنا پر یہ خیال کرنا درست نہ ہوگا کہ اسلام اور مغرب کا مکالمہ کوئی نئی چیز ہے۔ یہ مکالمہ اسلامی ریاست اور معاشرے کے دورِ عروج میں بھی رہا اور مسلمانوں کے دورِ زوال بلکہ مغربی سامراج کی مخلوقی کے دوران بھی جاری رہا، گوہر دور کے لحاظ سے مکالمے کے دائرے اور زاویے بدلتے رہے۔

قرآنی زاویے سے اس مکالمے کا پہلا مقصد الہامی ہدایت کو ماننے والے مذاہب میں قرب پیدا کرنا ہے، تاکہ ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کے لیے جس میں اسلامی نظام نافذ ہو چند مشترک بنیادوں پر اہل کتاب کو معاشرتی اور عائی تعلق کے دائرے میں لے آیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام نے اہل ایمان مسلمان مردوں کو صالح اہل کتابیہ سے عقدِ نکاح کی اجازت دے کر اہل کتاب کے ساتھ خاندانی تعلق کے قیام کو ممکن بنایا، لیکن اس بات کی اجازت نہیں دی کہ ایک مسلمان خاتون کسی اہل کتاب سے نکاح کر سکے۔ وجہات بڑی واضح ہیں۔ اس طرح مادی طور پر خاندانی رشتہ تو قائم ہو جاتا ہے لیکن گھر کے تمام امور کا فیصلہ اسلامی شریعت کو تعلیم نہ کرنے والے کے ہاتھ میں رہتا ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ آئینہ آنے والی اولاد بھی غیر اسلامی

اصولوں پر پروش پاتی ہے، جب کہ اہل کتابیہ سے شادی کی شکل میں گھر کا ماحول اور اولاد کی تربیت مکمل طور پر ایک صاحب ایمان کی سرپرستی میں ہوتی ہے۔ یہ موقع تفصیلات میں جانے کا نہیں ہے، ہم صرف یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان مکالمہ مخف نظری سطح پر نہیں بلکہ خاندان، تجارت اور میں الاقوامی امور پر ہر سطح پر ظہورِ اسلام سے رہا ہے، اس لیے کثرتیت (Pluralism) کی بات اسلام کے تاظر میں کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔

تاریخی حیثیت سے مغرب اور عیسائی دنیا کا تعلق اتنا قریبی رہا ہے کہ عموماً مغرب دوستی یا مغرب دشمنی کو عیسائی دوستی اور دشمنی سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے، جب کہ مغرب نے سلوہیں صدی عیسوی کے بعد شعوری طور پر عیسائیت سے اپنا فاصلہ بڑھانے کے عمل — آزادی رائے، جمہوریت، انفرادیت، مادیت، مشتبیت (Positivism) — کو اپنی فکری بنیاد قرار دیا اور سرمایہ دارانہ فکر کو اپنا بنیادی نظریہ اور پہچان قرار دیتے ہوئے اپنے معمولات میں ہفتہ میں ایک دن کا کچھ حصہ اپنے مذہب کے لیے مخصوص کرنے میں اپنی بھلائی جانی، اور مذہب اور دیگر معاملات کے درمیان عدم تعلق اور فاصلہ رکھنے کو علمی اور عملی حیثیت سے اتنی تکرار کے ساتھ پیش کیا کہ دیا ر مغرب کے باہر نہنے والے افراد بھی اپنی تمام مذہبیت کے باوجود زندگی کی اس دوئی میں عملًا مبتلا ہو گئے۔

لیکن غیر مغربی معاشروں کو جب اور جہاں بھی اس خرابی کا شعور ہوا، ان کے دانشوروں اور علماء اساتذہ نے اس پہلو پر توجہ دی۔ چنانچہ تاریخ کے ہر دور میں اصلاح و تجدید کی کوششوں کا بنیادی نکتہ یہی رہا کہ قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنی زندگی کے تمام معاملات کو اللہ کی بندگی میں لا لایا جائے۔

یہاں صرف یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مغرب سے مکالمہ ہو یا محاولہ، دونوں شکلوں میں مشترک بنیادوں پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے بعض بدیہی پہلو نظر انداز نہیں کیے جاسکتے۔ مغرب جس فکر کا ملغوب ہے اس کی روح 'مذہب'، کو محدود کرنے میں مضر ہے۔ چنانچہ سیکولر ازم عموماً نہیں کہتا کہ خالق کائنات، انسانوں کے مالک اور رب کا مکمل انکار کیا جائے، بلکہ صرف اتنی بات کہہ کر اس مقصد کو حاصل کر لیتا ہے کہ اللہ کے دائرہ کار کو مسجد، گلیسا اور یہ مکل تک محدود کر دیا جائے۔ مسلمان ہو یا عیسائی یا یہودی وہ اپنے مقررہ دن اور مقررہ وقت پر اپنے عبادت خانے میں جا کر جو

چاہے کرے لیکن ہفتہ کے بقیہ دنوں میں کاروبار ہو یا سیاست، معاشرت ہو یا ثقافتی سرگرمیاں، ان تمام معاملات میں مذہب، کوڈھل دینے کا اختیار نہ ہو۔ دین اور دنیا کی یہ تفہیق مغربی ذہن اور مغربی تہذیب کی بنیاد ہے۔ اسی کو ہم لا دینیت یا سیکولر ازم کہتے ہیں جسے لامذہبیت یا الحاد کے ساتھ خلط ماطلب نہیں کرنا چاہیے۔ لا دینیت مذہب کو غیرفعال بنانے اور زندگی کو دخانوں میں بانٹ دینے کا نام ہے۔ یہ ذہن اور یہ فکر اگر ایک ایسے شخص کے اندر پائی جاتی ہو جو ہر جمعہ کونماز پڑھتا ہوا اور ہفتہ کے بقیہ دنوں میں سرپر نماز کی ٹوپی پہن کر اشناک آنکھجھنگ میں بازی لگاتا ہو، تو اس کا نماز کی ٹوپی پہننا اور جمعہ کو باقاعدگی سے نماز ادا کرنا اسے غیر سیکولر نہیں بنا سکتا۔ سیکولر ازم وہ بنیادی مرض ہے جس کے زہر میں اثرات مغربی تہذیب اور مغرب کے ہر ہر شعبہ حیات میں سرایت کر چکے ہیں، اور اب یہ زہر اس کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ اس لیے مغرب خود اپنے اس اندر ورنی مرض کا احساس بھی نہیں کر پاتا۔

مکالمے کی سطحیں

مغرب سے مکالمے کی طرف بڑھتے وقت اس تاریخی پس منظر پر نگاہ دوڑائی جائے تو اسلام کا مکالمہ کم از کم چھے میاذوں یا چھے سطح (levels) پر کرنا ہو گا۔

- **تصویر حیات:** ان میں سب سے اول سطح تصویر حیات ہے، یعنی مغربی تہذیب جس تصویر حیات کی نمایندگی کرتی ہے اور اسلام جو تصویر حیات دیتا ہے، ان میں کونسی چیزیں مشترک ہیں اور کہاں پر شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ کن مقامات پر مفہومت کی شکل کا امکان ہے اور کہاں پر کوئی تعاون نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک ان حدود کا تعین نہ کر لیا جائے مکالمہ اور مکالمے کا تذکرہ ایک نمائش سے زیادہ نہ ہو گا۔ کسی بھی سمجھیدہ اور مخلصانہ کوشش کے لیے ضروری ہے کہ قواعدِ عمل اور موضوعات کا تعین پہلے کرتے ہوئے گفتگو کو انہی نکات تک محدود رکھا جائے۔

مغربی تصویر حیات تین بنیادوں پر قائم ہے۔ اولاً: انسان کی معاشی ضروریات اس کی تمام مساعی کا محرك اور کامیابی کا پیمانہ ہیں۔ چنانچہ مادیت اور مادی ترقی زندگی کا اولین مقصد ہے۔ ثانیاً: زندگی گزارنے کے لیے خوشی اور لذت کا حصول، انسان کی تمام توجہات کا مرکز ہونا چاہیے۔ چنانچہ لذیذ کھانے، تفریجی سفر، شام کے اوقات میں شفافیت کے نام پر حصول لذت و خوشی کے لیے

موسیقی، ڈراما اور ناک شوز، فیشن شوز میں شرکت ایک نمایدگی داعیہ اور ضرورت ہے۔ ﴿نَهُبَ أَيْكَ شخص کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس لیے نہب کونڈگی کے دیگر معاملات میں داخل ہونے سے روکا جائے اور کائنات اور انسانی معاشرہ دونوں کو کسی الہی ہدایت کا پابند نہ بنایا جائے۔ انسان اپنی ذاتی رائے اور قوتِ فیصلہ سے اپنے معاملات طے کرے۔ اخلاق اور نہب ایک اضافی چیز ہے۔ انفرادیت (Individualism) یا فرد کی مکمل آزادی کہ وہ جو چاہے کرے، مغربی تہذیب کی پہچان ہے۔

تصور حیات کی سطح پر اسلام ان تمام تہذیبوں سے اختلاف کرتا ہے، جو مغرب میں ہوں یا مشرق میں، اور جن کی بنیاد پر تحریر کردہ تینیت ہو۔ اسلام انسان کو ایک اخلاقی مخلوق قرار دیتے ہوئے زندگی کے تمام معاملات عالم گیر اخلاقی اصولوں کے مطابق کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنا اور عدل نہ کرنا انفرادی سطح پر غلط ہے، تو معاشرتی اور ملکی اور عالم گیر سطح پر بھی ناقابل قبول ہے۔ یہ وقت کے ساتھ نہ تبدیل ہوتا ہے اور نہ فرد کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنی صواب دیدی اور عقل کے مطابق ہج اور عدل کی تعریف کر لے۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد ایک ایسے خالق کے وجود پر نہیں ہے جو کائنات بنانے کے بعد کسی گوشے میں آرام کر رہا ہو، بلکہ وہ جی و قوم (زندہ جاویدتی) اور عزیز و علیم (صاحب اقتدار و صاحب علم ہستی) ہونے کی بنا پر، ہر لمحے اپنی مخلوق کی نگرانی اور بھلائی میں مصروف عمل ہے۔ وہ انسان کو اس کی ضروریات کے پیش نظر ہدایت سے نوازتا ہے اور وقتاً فوقاً الہامی ہدایت کی شکل میں عالم گیر اخلاقی ضابطہ اور قانون دیتا ہے، تا کہ معاشرے میں عدل و اخوت اور روداری قائم ہو اور لوگوں کے حقوق پر ڈاکے نہ ڈالے جاسکیں۔ وہ اپنے بندوں کو مال، صحت اور وسائل دیتا ہے، تا کہ وہ اس کے نماینہ اور خلیفہ ہونے کی حیثیت میں ان وسائل کو انسانیت کی فلاح کے لیے امانت کے احساس کے ساتھ توازن و اعتدال سے استعمال میں لا سائیں۔ اسلامی نظریہ حیات اس دنیا کو ایک تجربہ گاہ قرار دیتے ہوئے، انسان کی محدود زندگی کا مقصد تعمیری، اصلاحی اور اخلاقی طرزِ عمل سے ایک طرف مثالی عادلانہ معاشرہ قائم کرنا قرار دیتا ہے، جس میں ایک جانب انسان خوش، لذت اور طمیان پاتا ہے اور دوسری طرف اس دنیا میں اخلاقی طرزِ عمل اختیار کرنے کے نتیجے میں وہ آنے والی ابدی زندگی میں انسان سے بہترین اجر اور انعامات سے نوازے جانے کا حقیقی اور سچا وعدہ فرماتا ہے۔

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو تصویر حیات میں اختلاف کے باوجود ایسے امور میں جہاں انسانوں کا مجموعی مفاد ہوا اسلام اور وہ تہذیبیں جو لذت، دولت اور فرد کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں، انتہائی محدود اور مخصوص صورتوں ہی میں تعاون علی البر کر سکتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام سے وابستہ افراد کا یہ فریضہ بھی ہے کہ وہ اپنے تصویر حیات کی وضاحت اور تعارف کے لیے دیگر تہذیبوں کے ساتھ تبادلہ خیالات اور مکالمے کا مناسب استعمال کریں، تاکہ حق، عدل، اخوت اور عالمی انسانی برادری کے عالم گیر اصولوں پر تعاون کی فضا پیدا ہو سکے۔

● تعلیم و تحقیق: مکالمے کی دوسری سطح تعلیم اور عالمی تحقیق ہے، یعنی اسلام کے مانندے افراد اشاعت علم، تصویر علم، علم کی مختلف شاخوں اور منابع پر عبور حاصل کرنے کے بعد نتائج فکر کو انسانی برادری کے سامنے پیش کریں، اور اس طرح اسلامی فکر عالمی سطح پر دیگر انسانوں کو غور و فکر اور اسلامی نظام حیات کی برکتوں سے متعارف کراسکے۔ تاریخی طور پر مسلمان نہ صرف علوم اسلامی کے مہربنے، بلکہ طب، ریاضی، طبیعتیات، کیمیا اور دیگر علوم کے یورپ تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ اور آگے چل کر مسلم دنیا سے مغرب کی جانب علوم کی یہ منتقلی ایک علمی مکالمے کی شکل میں یورپ کی ترقی کی بنیاد بنی اور یورپ بالخصوص علم کی استخراجی حکمت عملی (Deductive method) کی جگہ علم کی استقرائی حکمت عملی (Inductive method) سے آشنا ہوا۔

● معیشت: مغرب کے ساتھ مکالمے کی تیسرا سطح معیشت کا میدان ہے۔ جہاں آج اس حقیقت کے باوجود کہ یورپ و امریکا کے معاشی ادارے اور مین الاقوامی معاشی تنظیمات، مثلاً عالمی تجارتی تنظیم (WTO)، عالمی بینک اور آئی ایم ایف مغربی سامراجیت کے زیر سایہ ترقی پذیر اقوام کو معاشی مکوم بنانے میں مصروف ہیں۔ دوسری جانب مغرب میں سرمایہ دارانہ معیشت اور سودی بنکاری کی ناکامی اب نوشہ دیوار سے زیادہ ایک منہ بولتی حقیقت ہے۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پر اسلامی معیشت کے عادلانہ اصول، اخلاقی طرزِ عمل اور شرکت کی بنیاد پر تجارت کا فروع ایسے اصول ہیں، جو آج بھی علمی اور عملی مکالمے کے ذریعے مغرب کے سامنے پورے اعتماد اور فخر کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کے تبادل کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔

مغربی سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہو یا ہندو نبیے اور یہودی سودخواری کا نظام، ان نظاموں کا

زوال ایک زیادہ ذمہ دار تبادل معاشری نظام کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ تاریخ کے اس نازک دور میں اسلام اور مغرب کا معاشری سطح پر مکالمہ اور اسلامی اصولوں کی اشاعت مغرب کے گرتے ہوئے معاشری نظام کو ایک نئی زندگی سے روشناس کر سکتا ہے۔

● بنیادی اخلاقی اقدار: اسلام اور مغرب کے مکالمہ کی ایک اور سطح ان بنیادی اقدار کے دو بارہ متعارف کرنے کا عمل ہے جو کچھ عرصہ قبل خود مغرب میں بھی قابل احترام آجھی جاتی تھیں، لیکن مادیت، انفرادیت اور لذتیت کی تسلیث پر ایمان و عمل نے ان اقدار کو متزلزل کر دیا ہے۔ ان اقدار میں نظام خاندان کا احیا اور اسلامی خاندان کے تصور کا مغرب کے سامنے پیش کیا جانا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مغربی تہذیب ہی نہیں، کسی بھی تہذیب کی بقا اور احیا اس کی آنے والی نسلوں پر محصر ہوتا ہے۔ اگر آنے والی نسلوں کو اخلاقی اقدار سے روشناس نہ کرایا جائے، ان کی تربیت گھر اور تعلیم گاہ میں نہ ہو، انھیں قربانی، ایثار، حق گوئی، عدل اور رواداری کی صفات گھر کے ماحول اور تعلیم گاہ میں نظر نہ آئیں تو اس تہذیب کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ مغرب اور اس کی نقلی میں بہت سی دیگر اقوام نے خاندان کے ادارے کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے، شادی دیر سے کرنے اور تنہار ہنے کے تصور کو، اور انسانی حقوق کے نام پر حیوانی حقوق سے بھی کم تر اس تصور کو سیاسی نعرے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے یک جنسی شادی کے تصور کو یورپ اور امریکا میں قانونی تحفظ فراہم کر کے، انسانی تہذیب کی مکمل طور پر تباہی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ روم اور یونان اپنے فلسفے اور ادب کی ترقی کے باوجود، اپنی اخلاقی بے راہ روی اور خاندان کے نظام کے تباہ ہونے کے بعد سنبھالا نہیں لے سکے، تو میشنوں پر پلنے والی تہذیب اور نکنالو جی پر فخر کرنے والی اقوام کب تک میشنی گل پرزوں کے سہارے تہذیب و ثقافت کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا دے سکیں گی۔ اس مکالمے میں اسلام، مغرب کو بہت کچھ دے سکتا ہے اور عالم انسانیت کی بقا اور احیا کے لیے صحت مند اور آزمودہ اقدار فراہم کر سکتا ہے۔

● شدت پسندی اور جہاد: اسلام اور مغرب کے مکالمے کی ایک سطح دہشت گردی، سفا کیت اور خودکش ذہنیت کے حوالے سے وہ غلط العام ابلاغی اور داش ورانہ یلغار ہے، جس نے اسلام اور اسلامیان کو بہت سے مقامات پر ایک معذرت پسندانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا

ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ قرآن و سنت کی بنیاد پر جہاد اسلامی کی حقیقی صورت کو واضح کیا جائے، کہ یہ ظلم و استھصال اور نا انصافی کو دور کرنے، امن، اخوت، محبت اور انسانیت کے فروع کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ اسلامی جہاد کے صحیح خدو خال کو واضح کیا جائے۔ اب سے تین چوتھائی صدی قبل مولانا محمد علی جوہرؒ کی خواہش پر سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو تحریر اس حوالے سے لکھی تھی (الجهاد فی الاسلام) جدید تاظر میں اسی معیار اور وزن کی علمی تحریر کے ذریعے اس سطح پر مکالمے کی ضرورت ہے۔ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ابلاغی عامہ جس تکرار کے ساتھ بعض الزامات کو دہراتا رہا ہے، حتیٰ کہ بہت سے صحیح الفکر افراد بھی اس مغالطے میں آپکے ہیں کہ اسلام شدت پندی اور دہشت گردی کو گوارا کرتا ہے، اس پر و پیگنڈے کا علمی سطح پر جواب دیا جائے اور مغرب کے دانش وردوں اور ابلاغی عامہ کو اس طرف متوجہ کیا جائے۔ یہ نہ صرف دو تہذیبوں کے باہم افہام و تفہیم کے لیے بلکہ خود دعوتِ اسلامی کے مستقبل کے لیے غیر معمولی اہمیت کا حامل موضوع ہے اور اس پر بلا کسی تاخیر کے علمی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

● عورت کا مقام اور حقوق: خواتین کے حوالے سے مغرب اور مغرب زدہ مسلمانوں نے جن شبہات اور اعتراضات کو بار بار دہرا�ا ہے ان پر بھی مکالمے کی ضرورت ہے، تاکہ ہر دو جانب سے رجوع کے بعد اسلام کی صحیح تعلیمات کھل کر سامنے آسکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام مساواتی مردوں کو بنیادی انسانی خیر (Constituent) کی سطح پر تسلیم کرتا ہے، یعنی مرد اور عورت دونوں کا خالق اللہ ہے اور دونوں کو ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس اصولی موقف کے بعد اسلام ہر دو صنفوں کے حقوق و فرائض اور معاشرے میں کردار کی روشنی میں عادلانہ بنیاد پر دائرہ کارکو متعین کرتا ہے، اور اس میں بعض اوقات مردوں کو اور اکثر اوقات عورتوں کو فضیلت دیتا ہے۔ لیکن غیر مسلم تہذیبوں کے اثرات جو صدیوں سے مسلم معاشرے میں نفوذ کرتے رہے ہیں، ان کے سبب بہت سے ایسے روانج نہ صرف مسلم معاشرے میں بلکہ عالمی طور پر دیگر معاشروں میں رائج ہو گئے جن کا کوئی رشتہ اسلام سے نہیں جوڑا جاسکتا۔ یہ قابلی روایتی عصوبیت اور نام نہاد مردانگی کے تصور پر مبنی روئے اسلام کی بنیادی تعلیمات سے مکراتے ہیں، اور بعض اوقات مسلمانوں کا انھیں اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے بعض مسلمان اپنے پیدائشی اسلام کے باوجود غیر اخلاقی

حرکات کا ارتکاب کرتے ہوں۔ کیا ان کے اس انحراف کو اسلام سے منسوب کیا جا سکتا ہے؟ کیا ایک یورپی جو صرف اتوار کے دن چرچ جاتا ہو اور بقیے تمام دنوں میں سخت بداخلالقویون کا ارتکاب کرتا ہو، تشدود کو پسند کرتا ہو، اس کے اس عمل کی بنابرہم عیسائیت کو اس کی بے راہ روی کا ذمہ دار قرار دے سکتے ہیں؟ لیکن جب انسانی ذہن ابلاغ عامہ کی زہر پھیلانے والی یلغاز کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر عقل کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اور وہ محض سنی سنائی بات پر یقین کر بیٹھتا ہے۔ مغرب کے ساتھ مکالے کا ایک اہم پہلو اسلام کے حوالے سے خواتین کے حقوق اور ان کا مقامِ فضیلت ہے جس پر غیر معنوی سنجیدگی اور توجہ کے ساتھ علمی سطح پر کام کی ضرورت ہے۔

اسلام اور مغرب کے مکالے کے موضوعات اور کس سطح پر اس مکالے کو ہونا چاہیے، کے حوالے سے ایک طویل فہرست پیش کی جاسکتی ہے لیکن ہمارا نقصود کوئی حقی فہرست موضوعات پیش کرنا نہیں، بلکہ صرف اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ کمراوا اور آدیزش کی جگہ علمی اور فکری مکالہ ایک ایسی تغیری کوشش ہے جسے ہمیشہ اولیت حاصل ہونی چاہیے۔ اگر صرف ان چھٹے بنیادی مباحث پر علمی اور سنجیدہ مکالے کو آگے بڑھایا جائے تو نہ صرف ان سے متعلق مخالفوں کو دُور کیا جاسکتا ہے، بلکہ اسلام اور مغرب کی آدیزش میں کمی اور انہیم و تفہیم کے ذریعے اسلام کے عالمی پیغام کو متعارف کرایا جاسکتا ہے۔ (بہتری مغرب اور اسلام، شمارہ ۲۹، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد)

اہم گزارش: اس رسالے میں اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات کی کوئی ذمہ داری ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن کی انتظامیتی نہیں ہے۔ قارئین اپنی ذمہ داری پر معاملات کریں۔ (ادارہ)